تفصیل سے جوابات دیجیے۔

سوال نمبر5۔ ان اسلامی اقدار کا جائزہ لیجیے جو نظریہ پاکستان کی اساس ہیں۔

جواب: نظریہ پاکستان کی اساس :

برصغیر کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ ریاست اسلام کے لیے حاصل کی تھی تاکہ اللہ تعالیٰ کے حتمی اور قطعی اقتدارِ اعلیٰ کے تصور کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ اُس ذاتِ عظیم کی برتر اور مطلق قوت کو نافذ کیا جائے اور ایک ایسا نظام رائج ہو جس میں قرآنِ پاک اور احادیث رسول ﷺ پر مبنی اصولوں کو اپنایا گیا ہو۔

اسلام محض عبادات اور رسومات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں معاشرت، معیشت، اخلاقیات اور سیاسیات کے تمام مقاصد کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اسلامی نظام، جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور ہر دور کے لیے مکمل طور پر قابلِ عمل ہے۔

نظریۂ پاکستان اسلامی نظریۂ حیات پر مبنی ہے۔ عقائد و عبادات، عدل و انصاف، مساوات، جمہوریت کا فروغ، اخوت و بھائی چارہ اور شہریوں کے حقوق و فرائض جیسی اسلامی اقدار نظریۂ پاکستان کی اساس ہیں۔ ان اسلامی اقدار کی تفصیل ذیل میں پیش ہے۔

ا۔ عقائد و عبادات:

پاکستان کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تو اس کے پس منظر میں یہ سوچ بھی کار فرما تھی کہ مسلمان اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں اور عبادات کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کریں۔ عقائد میں توحید، رسالت ﷺ، آخرت، ملائکہ اور الہامی کتب پر ایمان لانا شامل ہے۔ ان کے مجموعے کے ایمان کہتے ہیں۔

توحید و رسالت:

توحید و رسالت اسلام کا پہلا رکن ہے۔ توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہے۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) یعنی کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ انسان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی ہے لہٰذا مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے اور انسان کے نائب ہونے کے عقائد سے خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی طاقت کی حد تک عمل پر قادر ہے لیکن اصل قدرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

عقیدۂ رسالت کا مطلب رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ دائرہ اسلام میں آنے کے لیے لازم ہے کہ رسالت کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے اور کسی اعتبار سے بھی اس میں شک و شبہ نہ کیا جائے۔ قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کو سرچشمۂ ہدایت ماننا عقیدۂ رسالت کا لازمی تقاضا ہے۔

نماز:

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے جس کو مقررہ وقت پر ادا کرنا فرض ہے۔

دراصل اقامتِ صلوٰۃ، اقامتِ دین کا وہ نمونہ ہے جس کا ہر روز مظاہرہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایسا ہی نظام پورے معاشرے میں قائم ہونا چاہیے۔

روزہ:

اسلام کا تیسرا رُکن روزہ ہے۔ تمام عبادات کی طرح روزہ بھی فرض کا بہترین اظہار ہے۔

زکوٰۃ:

اسلام کا چوتھا رُکن زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے اور اسلام کے معاشی نظام کی پختگی کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ کے نظام کی دولت چند ہاتھوں میں اکھٹی ہونے کی بجائے گردش میں رہتی ہے اور معاشرے کے غریب طبقے تک بھی پہنچ جاتی ہے۔

حج:

حج اسلام کا پانچواں رُکن ہے جو صاحبِ اِستطاعت لوگوں پر فرض ہے۔حج کے موقع پر لَبَّیْک اللّٰھُمَّ لَبَّیْک کی پکار مسلمانوں کے اتحاد اور بھائی چارے کی ایسی مثال ہے جو پوری دنیا میں کہیں نظر نہیں آتی۔

ii۔ عدل و انصاف اور مساوات:

ایک منصفانہ معاشرے کا قیام عمل میں لاتے ہوئے مسلمانانِ برصغیر عدل اور سماجی مساوات پر زور دیا۔ معاشرے میں ذات پات، رنگ و نسل اور زبان و ثقافت کی تمیز روا رکھے بغیر تمام انسانوں کو برابر درجہ دیے جانے کا عزم کیا گیا۔ ریاست میں سب افراد کے لیے مساوی قانون اور یکساں عدالتی نظام قائم کیا گیا۔ آزاد عدلیہ اور قانون کی حکمرانی عوام میں مساوات اور انصاف کے قیام کی بنیادی شرائط ہیں۔ اسلامی ریاست نے انصاف کی سربلندی پر زور دیا۔

حضرت محمد ﷺ نے اس حقیقت کو خطبہ حجۃ الوداع میں یوں بیان فرمایا ہے:

"اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے اور تم سب آدمؑ کی اولاد ہو۔ پس کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔"

iii۔ جمہوریت کا فروغ:

اسلامی ریاست اور معاشرے کی بنیاد مشاورت ہے۔ اسلامی معاشرے میں جمہوریت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور عوام کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ انہیں مساوی درجہ ملتا ہے اور وہ قانون کے دائرے کے اندر رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ قوانین انہیں تحفظ مہیا کرتے ہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں۔ افراد میں رنگ، نسل، ذات پات یا زبان کی بنیاد پر کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ حکومتی نظام سب لوگوں کی بھلائی کو پیش نظر رکھ کر چلایا جاتا ہے۔ قائداعظمؒ نے 14 فروری 1948ء کو سبی کے مقام پر تقریر کرتے ہوئے قیام پاکستان کی غرض و غائیت یوں بیان کی: "آؤ ہم اپنے جمہوری نظام کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنیاد فراہم کریں۔ اللہ ذوالجلال نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم ریاستی امور کو باہم صلاح مشورے سے طے کریں۔"

iv۔ اخوت و بھائی چارہ:

اسلامی معاشرے میں اخوت و بھائی چارہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مدینہ منورہ میں جب اسلامی حکومت بنی تو اس میں اخوت و بھائی چارے کی مثال دیکھنے کے قابل تھی۔ آج بھی اسلامی معاشرہ اسی اخوت و بھائی چارے کا متقاضی ہے جو کہ مدینہ منورہ میں نظر آئی تھی۔ اسلام سے پہلے اس اصول کا فقدان تھا اور لوگ ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے لیکن مدینہ کی ریاست کے وجود سے حضور اکرم ﷺ نے حقوق العباد پر زور دیتے ہوئے یتیموں، بیواؤں اور ناداروں سے مشفقانہ رویہ کی تلقین کی۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک ضابطہ حیات دیا تاکہ لوگ آپس میں محبت سے رہ سکیں اور معاشرے میں اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم ہو۔ آپ ﷺ نے زکوٰۃ اور خیرات کے نظام کو واضح کیا اور سود کو حرام قرار دیا کیونکہ اسلام میں دوسروں کے استحصال کی کوئی گنجائش نہیں۔

اخوّت اس بات کا درس دیتی ہے کہ آپس میں برادرانہ تعلقات استوار ہونے چاہییں تاکہ کسی کے حقوق سلب نہ ہو سکیں اور نہ ہی کوئی کمزور پر ظلم کرے۔ حضوراکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس سے خیانت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے کینہ اور حسد سے باز رہنے کا درس دیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اتفاق سے رہیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔

۷۔ شہریوں کے حقوق و فرائض:

جب پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تو ایک طرف شہریوں کے حقوق اور تحفظات کی اہمیت تسلیم کی گئی تو دوسری طرف اُن کے فرائض پر بھی بھرپور زور دیا گیا۔ ایک اسلامی معاشرے میں حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کا ذکر بھی خصوصی طور پر کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کا حق دوسرے فرد کا فرض بن جاتا ہے۔ حقوق و فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ فرائض ادا کر کے ہی ایک فرد حقوق حاصل کرنے کے قابل بنتا ہے۔ فرائض کا تعلق انسان کے ذاتی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کو حقوق و فرائض کا باہمی توازن ایک کامیاب ریاست بنا دیتا ہے۔

پاکستان میں اقلیتوں کو تحفظ دینے کی سوچ بھی قیام پاکستان کے مطالبے کے پس منظر میں شامل تھی۔ قائداعظمؒ نے بھی یہ واضح کر دیا تھا کہ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ اسلام کسی صورت میں یہ اجازت نہیں دیتا کہ

اسلامی معاشرے میں زندگی گزارنے والی اقلیتوں کے جان، مال، عزت اور مذہبی روایات کا تحفظ نہ کیا جائے۔

6 سوال نمبر۔ قائداعظمؒ کے ارشادات کی روشنی میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کیجیے۔

جواب: نظریہ پاکستان اور قائداعظمؒ:

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نظریہ پاکستان کے مطابق برصغیر پاک و ہند کے وہ مسلم اکثریتی علاقے مثلاً پنجاب، بنگال، آسام، سندھ، سرحد (خیبر پختونخوا) اور بلوچستان کو ملا کر پاکستان بنا دیا جائے جس میں یہاں کے لوگ اپنے مذہب اسلام، تہذیب، روایات، اخلاقیات اور معاشیات کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی استوار کر سکیں۔ جہاں مسلمان آزاد ہوں وہاں وہ اپنی اقدار کے مطابق ملک اور حکومت کے نظام کو چلائیں۔ اُس کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کو بھی برابر کے حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔

i۔ قائداعظمؒ اسلامی نظام کو پوری طرح قابلِ عمل سمجھتے تھے اور قرآن پاک کو بنیاد مان کر ملکی نظام کو استوار کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 1943ء میں کراچی میں فرمایا:

"وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے۔"

ii۔ مارچ 1944ء میں طلبہ سے مخاطب ہوتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

"ہمارا رہنما اسلام ہے اور یہی زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔"

iii۔ آپؒ نے علی گڑھ میں خطاب کرتے ہوئے نظریہ پاکستان کو ان الفاظ میں واضح کیا:

"پاکستان کے مطالبے کا محرک اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ مملکت کی وجہ کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کی وجہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال، یہ سب اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔"

iv۔ 11 اکتوبر 1947ء کو حکومتِ پاکستان کے افسران سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا:

"دس سال سے ہم جس مملکت کی تخلیق کے لیے کوشاں تھے، خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے اب ایک حقیقت بن چکی ہے۔ اب پاکستان کا مقصد ہمارے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم نے ایک ایسی ریاست بنائی ہے جس میں ہم آزاد افراد کی طرح رہ سکیں، اپنی تہذیب و ثقافت کو ترقی دے پائیں اور اسلام کے اجتماعی نظام عدل کے اصولوں پر عمل پیرا ہو سکیں۔"

v۔ نظریۂ پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے ایک بار یوں فرمایا:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ محض زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

vi۔ 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ کے عوام سے خطاب کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

"ہمیں بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان کے جھگڑوں سے بالاتر ہو کر سوچنا چاہیے۔ ہم صرف اور صرف پاکستانی ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ پاکستانی بن کر زندگی گزاریں۔" اس کے علاوہ آپؒ نے اقلیتوں کو مکمل تحفظ دینے اور برابری کے حقوق دینے کا اعلان کیا اور یہی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔

vii- یکم جولائی' 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے سٹیٹ بینک کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

"مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے ناقابلِ حل مسائل پیدا کیے ہیں اور یہ لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا معاشی نظام پیش کرنا چاہیے جو اسلام کے صحیح تصورِ مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر مبنی ہو۔"

سوال نمبر7۔ علامہ اقبالؒ کے ارشادات کی روشنی میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کیجیے۔

جواب: نظریہ پاکستان اور علامہ اقبالؒ:

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو الگ ریاست کا تصور دیا اور اپنی شاعری کے ذریعے ان کو بیدار کیا۔ پہلے پہل آپ بھی ہندو، مسلم اتحاد کے حامیوں میں سے تھے لیکن ہندوؤں کی تنگ نظری اور متعصب روّیے نے جلد ہی علامہ اقبالؒ کو یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ الگ ملک کا مطالبہ کریں۔

i- آپؒ نے 1930ء میں اپنے مشہور خطبہ الٰہ آباد میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست کا مطالبہ کیا تاکہ مسلمان اس میں رہ کر اپنے مذہب اور ثقافت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

آپؒ نے فرمایا:

"مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت تمدنی قوت زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان ایک مخصوص

علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کریں۔ میں صرف ہندوستان میں اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کا قیام کر رہا ہوں۔"

ii۔ علامہ اقبالؒ نے نظریہ پاکستان کے حوالے سے دعوٰی کیا کہ ہندو اور مسلمان ایک مملکت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اور مسلمان جلد یا بدیر اپنی مملکت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ علامہ اقبالؒ نے برصغیر میں واحد قوم کے وجود کا تصوّر مسترد کر دیا اور مسلم قوم کی جداگانہ حیثیت پر زور دیا۔اسلام کو ایک مکمل نظام مانتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے واضح طور پر کہا کہ:

"انڈیا ایک برصغیر ہے،ملک نہیں۔یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں اور مسلم قوم اپنی علیحدہ پہچان رکھتی ہے۔ تمام مہذب قوموں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی اصولوں اور ثقافتی و سماجی اقدار کا احترام کریں۔"

iii۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ مسلمان اسلام کی وجہ سے ایک ملت ہیں اور ان کی قوت کا دارومدار بھی اسلام ہے۔انھوں نے مسلم ملت کی اساس کے حوالے سے حقیقی تصوّر میں اپنے اشعار میں پیش کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ

اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

iv۔ آپؒ نے مسلمانوں کو مذہب اسلام کے ہر پہلو کو اپنانے اور رنگ و نسل کے بتوں کو توڑنے کا مشورہ دیا۔

بتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

۷۔ علامہ اقبالؒ ساری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک ملت تصور کرتے تھے۔اس لیے انھوں نے نیل کے ساحل سے کاشغر تک کے مسلمانوں کو حرم کی پاسبانی کے لیے ایک ہونے کا پیغام دیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

سوال نمبر8۔ دو قومی نظریے کی وضاحت کیجیے۔

جواب: دو قومی نظریہ: آغاز، ارتقااور وضاحت:

برصغیر میں ہر شخص جو اسلام قبول کرتا تھا وہ اپنے آپ کو معاشرتی اور سیاسی سطح پر مسلم معاشرے اور ریاست سے وابستہ کر لیتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ اپنے سابقہ رشتوں کو ترک کر کے اپنے آپ کو ایک نئے سماجی نظام سے جوڑ لیتا تھا۔اسی بنیاد پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانانِ برصغیر کا الگ اور منفرد مزاج پیدا ہوا جو ہر لحاظ سے دوسری اقوام ہند سے مختلف تھا۔ اسی تشخص کو اساس مانتے ہوئے دو قومی نظریہ اُجاگر ہوا۔

برصغیر کے تاریخی تناظر میں دو قومی نظریے سے مراد یہ ہے کہ یہاں دو بڑی اقوام آباد ہیں، جن میں سے ایک مسلمان اور دوسری ہندو قوم ہے۔ یہ دونوں اقوام اپنی مذہبی نظریات، اپنے رہن سہن کے انداز اور اجتماعی سوچ میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان اقوام کے بنیادی اصول اوررہن سہن کے طریقے ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں کہ یہ صدیوں اکٹھا رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل نہ سکیں۔ دو قومی نظریے کی بنیاد پر ہی مسلمانانِ ہند اپنی آزادی کی لڑائی لڑی اور اس نظریے کوایک تاریخی حقیقت ماننے کے بعد ہندوستان میں دو الگ الگ ریاستیں، پاکستان اور ہندوستان کے نام سے وجود میں آئیں ۔ یہی تصور نظریۂ پاکستان کی اساس ہے۔ دو قومی نظریے کے ارتقا کے سلسلے میں مختلف ادوار کی شخصیات اور ان کے افکار کا مختلف جائزہ درج ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

دو قومی نظریہ سرسید احمد خان کی نظر میں:

برِصغیر میں سرسید احمد خان نے سب سے پہلے 1867ء میں بنارس میں اُردو ہندی تنازعے کی بنا پر دو قومی نظریے کی اصطلاح استعمال کی۔ سرسید نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم کہا اور حکومت کو باور کرایا کہ برصغیر میں کم از کم دو اقوام آباد ہیں۔

ایک مسلمان اور دوسری ہندو قوم۔ مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں کیونکہ اُن کی تہذیب، ثقافت، زبان، رسوم و رواج اور زندگی کا فلسفہ ہندوؤں سے جدا ہے۔ اس نظریے نے مسلمانوں میں سیاسی جذبے کو اُبھارا اور ان کو ایسی قیادت دی جس نے تحریکِ آزادی کو جلا بخشی۔ اسی دو قومی نظریے کی بنا پر ہندوستان تقسیم ہوا۔

دو قومی نظریہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی نظر میں:

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حقوق کو سلب کر لیا جائے۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ مسلمانوں کہ لیے پنجاب، سرحد (خیبر پختونخوا) سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دی جائے۔

دو قومی نظریہ چودھری رحمت علی کی نظر میں:

چودھری رحمت علی نے جنوری 1933ء میں انگلستان میں قیام کے دوران اپنے چند ساتھیوں سے مل کر ایک کتابچہ 'Now or Never' کے نام سے شائع کیا۔ اس کتابچے کو ہندوستانی سیاست دانوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس کتابچے میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کا نام پاکستان تجویز کیا گیا۔

چودھری رحمت علی کا خیال تھا کی مسلمانوں کی اپنی ایک تاریخ اور تہذیب ہے۔ انھی کی بنیاد پر ان کی قومیت ہندوستانی ہونے کی بجائے پاکستانی ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے ہندوستان میں دوسرے بسنے والوں سے مختلف ہے۔

دو قومی نظریہ قائداعظم محمد علی جناح کی نظر میں:

قائداعظم محمد علی جناحؒ دو قومی نظریے کے زبردست حامی تھے اور وہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کو الگ قوم کا درجہ دیتے تھے۔ آپؒ نے اس سلسلے میں فرمایا: "قومیت کی جو بھی تعریف کی جائے مسلمان اس تعریف کی روح سے الگ قوم ہیں۔ وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اپنی الگ مملکت قائم کریں۔" قرارداد لاہور 23 مارچ' 1940ء کو منظور ہوئی جس میں آپؒ نے خطبہ صدارت دیتے ہوئے فرمایا: "ہندو اور مسلمان دو علیحدہ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں جو بالکل مختلف عقائد پر قائم ہیں اور مختلف نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ دونوں اقوام کے ہیروز، رزمیہ کہانیاں اور واقعات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہٰذا دونوں قوموں کو ایک لڑی میں پرونے کا مقصد برصغیر کی تباہی ہے کیونکہ یہ برابری کی سطح پر نہیں بلکہ اقلیت اور اکثریت کے روپ میں موجود ہیں۔ برطانوی حکومت کے لیے بہتر ہو گا کہ ان دونوں قوموں کے مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے برصغیر کی تقسیم کا اعلان کرے جو کہ تاریخی اور مذہبی لحاظ سے ایک صحیح قدم ہو گا۔"

سوال نمبر 9۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیے۔

(الف) ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشی حالت

(ب) نظریے کی ماخذ اور اس کی اہمیت

جواب: (الف) ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشی حالت:

1857ء کی جنگِ آزادی ختم ہوئی تو مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اگرچہ ہندوؤں نے بھی اس جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا لیکن وہ مسلمانوں کو تمام کارروائیوں کا ذمہ دار قرار دے کر خود بَری الذّمہ ہو گئے۔ مسلم قوم زیرِ عتاب آئی اور انہیں سنگین نتائج بھگتنا پڑے۔

i۔ انگریزوں نے تعصب اور مسلم دشمنی کے جذبے کے تحت مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں خصوصاً فوج سے نکال دیااور ان پر سرکاری ملازمت کے دروازے بند کر دیے۔ مسلمان اپنی قابلیت اور استحقاق کے باوجود کم تر اہلیت کے حامل ہندوؤں کے مقابلے میں ملازمت سے محروم رکھے جاتے تھے۔

ii۔ اکثر مسلمانوں کی جاگیریں چھن گئیں، اُن کی جائیداد ضبط کر لی گئیں اور بعض مسلمان کسانوں کو زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ اُن کی جاگیریں اور زمینیں غیر مسلموں کو بطورِ انعام دے دیں گئیں۔ مسلمان، مالک کے بجائے مزارع بن گئے۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔
"کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔"

iii۔ مسلمانوں کے کاروبار بند ہو گئے۔ انگریزوں نے ہندوؤں کو خصوصی کاروباری مراعات اور رعائتیں دے کر انھیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ہندوؤں نے مقامی تجارت کے میدان میں اپنی اجارہ داری قائم کر لی اور مسلمان تجارت پیشہ لوگ اقتصادی بحران کا شکار ہو گئے۔

iv۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے نتیجے میں وہاں عمدہ اور سستا مال تیار ہونے لگا جو ہندوستان میں درآمد کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی دوسری

اقوام کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی گھریلو صنعت جس کے پیداواری ذرائع ترقی یافتہ نہ تھے، تباہ ہو گئی۔

۷۔ برطانیہ کی صنعتی اشیا تو ہندوستان میں آسکتی تھیں لیکن ہندوستان کی چیزوں کی کھپت نہ برطانیہ میں تھی اور نہ یورپ میں تھی۔ ہندوستان کی بیرونی تجارت متاثر ہونے سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو گئے جس میں مسلمانوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی۔

(ب) نظریے کی ماخذ:

درج ذیل عناصر کی وجہ سے لوگوں میں نظریات کی تشکیل ہوتی ہے۔

i۔ مشترکہ مذہب:

مذہب محض چند عبادات کا مجموعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ پوری معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات رکھتا ہے۔ ہر مذہب نے سماجی تعلقات کو مخصوص نظریات کی روشنی میں استوار کیا مثلاً یورپ نظریہ عیسائیت کے تحت، جاپان نظریہ بدھ مت کے تحت، ہندو نظریہ ہندوازم کے تحت اور مسلمان نظریۂ اسلام کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

ii۔ مشترکہ نسل:

مشترکہ نسل سے مشترک نظریات جنم لیتے ہیں۔ ایک ہی نسل کے لوگوں میں ہمدردی اور اخوت کے جذبات کا پروان چڑھنا عین فطری عمل ہے۔ ہم نسلی ایک مضبوط بندھن ہے جو مشترک نظریات کے باعث انسانوں کو خونی رشتوں میں منسلک کیے ہوئے ہے۔

iii۔ مشترکہ زبان اور رہائش:

زبان ہی کے ذریعے لوگ اپنے جذبات و احساسات اور خیالات دوسروں تک پہنچاتے ہیں جس سے نئے نظریات تشکیل پاتے ہیں۔

لوگوں میں طور طریقوں اور نظریات میں یکسانیت کافی حد تک مشترکہ رہائش کا مرہونِ منت ہے۔

iv۔ مشترکہ سیاسی مقاصد:

دورِ حاضر کی بیشتر قومیں اپنے مشترکہ سیاسی مقاصد اور نظریات کی بدولت اپنی قومی زندگی کی بقا کے لیے آزادی حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئیں ہیں تاکہ وہ مضبوط قوم کا روپ دھار سکیں۔

v۔ مشترکہ رسم و رواج:

ہر دور میں نظریات کی تشکیل میں مشترکہ رسم و رواج کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ مشترکہ رسم ورواج کی وجہ سے لوگوں میں ثقافتی اور فکری اعتبار سے نظریاتی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

نظریے کی اہمیت:

i۔ انسان ایک مقصد کے تحت دنیا میں آیا ہے۔ بے مقصد زندگی کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ قوموں کے وجود کا پتہ اُن کے نظریات سے ہوتا ہے۔

ii۔ نظریات قوموں میں مقصد کا شعور پیدا کرتے ہیں اور نظریات سے ہی قومیں کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

iii۔ نظریہ کسی سیاسی، معاشی، معاشرتی یا ثقافتی تحریک کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔

iv۔ نظریہ انسانی زندگی کا محور اور اس کی قوت محرکہ کا دوسرا نام ہے۔

v۔ نظریہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نظم و ضبط دیتا ہے۔

vi۔ نظریہ انسان کے ایک دوسرے کے ساتھ قومی حقوق وفرائض کا تعین کرتا ہے۔

vii۔ نظریہ ایک روح کی مانند ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا لیکن اقوام اسی کی بدولت زندہ اور متحرک نظر آتی ہیں۔

viii- اگر کوئی قوم اپنے نظریے کو نظر انداز کر دے تو اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے اور دوسرا نظریہ اسے اپنے اندر ضم کرنے کے لیے کوشاں ہو جاتا ہے۔